

کھوکھلی عورت
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
کنزہ نبوی

کنیز نبوی

کوہلی عورت

اس کے ہجر کی نشاندہی کرتی رہیں۔
”وعدہ۔ زندگی میں کسی دکھ کو تمہاری قربت نصیب
نہیں ہوگی۔“

”تین۔“ ا۔ لڑہاتھ کی الٹی انگلیوں کا لمس ٹھوڑی
سے کان کے لو تک سرکتا آیا۔ ”ساری خوشیاں تم پر
نچھاور کروں گا“ اور سارے دکھ میں اپنی محبت سے جتن
لوں گا۔ ”مضبوط ہاتھ شانوں پر آٹکے۔“

مسلل بے خوالی سے بے زار ہو کر اس نے
آئینے میں اپنے عکس کو دیکھا۔ آئینے نے اس کے
عکس کو یک دم مسترد کر دیا۔ اسے اپنی گردن پر اس کا
چہرہ نظر آیا۔ جس کی یاد میں دائیں آنکھ کے عین نیچے
بے خوالی کا پھوڑا لگ آیا تھا۔ وہ یک ٹک آئینے میں
ابھرے اس کے عکس کو دیکھتی رہی، آہستہ آہستہ اس
کا عکس ہٹا کر اصل چہرہ نمودار ہوا۔ آنکھیں سرخ ہو کر

اس نے سارے وعدے دل کے پلوں میں باندھ لیے۔ اس کے لیے سچ کی طرح مقدس تھے۔ اس کے الفاظ جن پر کبھی بھی شک کر کے وہ گناہ کی مرتکب نہیں ہو سکتی تھی۔ اسی یقین نے سالوں تک اس کا ایمان محکم رکھا۔ بچے کی کمی تو رہی مگر یہ کمی اپنے شریک سفر پر اعتماد کو متزلزل نہ کر سکی۔

گزرتے دنوں کے ساتھ جہاں سسرال کی بے چینی بڑھی تھی وہاں شریک سفر پر اعتماد بھی۔

”اماں! اللہ جب راضی ہو گا تو اولاد بھی ہو جائے گی۔“ وہ ہنس کر ماں کو دلاسا دیتا تو سنبل کے اندر کی توانائی بڑھ جاتی، سعد اس کی چھاؤں تھا، اسے ہر کڑی دھوپ سے بچانے والا، اسے چپکے چپکے آنسو بہاتے دیکھ کر وہ پریشان ہوا اٹھتا۔

”مست رویا کرو ہم نے ان آنکھوں سے محبت کے خواب دیکھے اور تعبیریں پائیں، ان آنکھوں کا گریہ دیکھنے کی اہمیت نہیں مجھ میں۔“

وہ اس کے رخساروں سے آنسو چھتے ہوئے جذب محبت سے دیکھتا۔

”سعد! ادھر رے پن کا طعنہ میری پشت پر سائے کی طرح میرے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ میں کہیں بھی جاؤں وہ میرا کسی آسیب کی طرح پیچھا نہیں چھوڑتا۔“

”مست کہو ایسا، ہماری تکمیل ہماری محبت ہے سنبل! وہ محبت جو بچپن سے ہمارے ساتھ ایک ہی صحن میں پٹی بڑھی۔ ہمیں ایک دوسرے سے باندھ کر رکھا، ہم نے اک دوسرے کو ہی نہیں اس محبت کو بھی جینا ہے، ہم بھلا اتنی چھوٹی سی کمی سے کیسے ہار جائیں؟“

وہ کھوکھلی عورت ہمیشہ اس کی محبت کے آگے ہار جاتی تھی۔

ڈاکٹرز اور ہسپتالوں کے چکر لگتے لگتے آٹھ سال بیت گئے، اور اس کی ساس کا صبر جواب دے گیا پھر انہوں نے لڑکی پسند کر لی اور رشتہ بھی مانگ لیا۔

سعد کے انکار میں جو شدت پہلے پہل تھی وہ

گزرتے وقت کی دھول میں اٹ گئی، اور شدت ختم ہو جائے تو بہت سارے جذبے بے معنی رہ جاتے ہیں۔

پھر اس کی ماں نے باقاعدہ منگنی کی تقریب بھی منعقد کر لی۔

اس رات وہ اپنے کمرے میں مقید ہو گئی تھی۔ اک بوجھ ساتھ جس نے جسم و جاں کو ہلکان کر دیا تھا۔

”کیا تمہیں مجھ پر یقین نہیں؟“ اس نے انہیں انگلیوں سے اس کے آنسو پونچھے جن سے نئی نویلی کو انگوٹھی پہنا کر آیا تھا۔ ”تمہاری اہمیت، حیثیت، عزت میں کمی نہیں آئے گی سنبل! میں نے تم سے محبت نہیں عشق کیا ہے۔ اور یاد رکھنا عشق کبھی نہیں مرتا۔“

اس نے اس کی چڑی کے پلوں میں دلا سوں کے ساتھ ساتھ وعدے بھی باندھ دیے۔

مگر گزرتے وقت نے ثابت کیا کہ اس چڑی کے سارے رنگ کچے تھے۔ زندگی کی ساری خوشیاں، رنگینیاں سعد کا پہلو آباد کرنے والی نئی نویلی دلہن چرا کر لے گئی۔

آٹھ دن گزر گئے، وہ شرعی حقوق کی پاس داری کے قرض سمیت سارے وعدے بھی بھول بیٹھا تھا۔ آٹھ سالہ ازدواجی زندگی اور تیرہ سالہ شدید محبت کہیں کھو گئی، کسی طوفان میں ڈوبی، خوشبو کی طرح اڑ گئی یا اپنی موت آپ مر گئی، اس کا ذہن و شعور کچھ بھی سمجھنے سے قاصر و محروم تھا۔

جدائی بھی کیسی تھی کہ وہ اس کا فون اٹھانے سے گریزاں اور میسج کا جواب دینے سے بھی عاری تھا۔ بے خواب آنکھوں میں وہ لمحہ پھر سے آمو جو ہوا۔ ”تم فکر مت کرنا۔“ وہ دہرایا پہلے اس کے پاس آیا تھا۔ اس کی سوتی آنکھوں میں کڑواہٹ لیتے اندیشوں کو بھانپ گیا۔

”میری سب کچھ تم ہو، بیوی، محبوبہ، دوست، ہم سفر بھی، وہ تو صرف میرے بچے کی ماں بنے گی۔ صرف بچے

ماں۔“

اس کا حوصلہ ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ محبوب کوئی س دل سے کسی اور کے حوالے کرتا ہے۔ یہ کرب یوب ہی جانتا ہے۔ اذیت سے ریزہ ریزہ ہوتے وجود نے اس کے مہراں شانے پر سر رکھ کر سارے اندیشے، داپے، آنسوؤں کی صورت اس کے گریبان میں پروا دیے۔

وہ عورت تھی، گروٹ بدلتے حالات کے سامنے عبور، سوائے صرف محبت کے بندھن سے نہ باندھ سکتی۔ اسے پرایا ہوتے دیکھنے کی نہ اس میں اہمیت تھی، نہ دم، سو گھر میں موجود رہی۔

اور وہ شادی ہال سے نئی دلہن کے ساتھ نئے لپار ٹمنٹ میں منتقل ہوا تو مہندی کی تازہ خوشبو بدن کی تہ پہاڑ، نئی عورت کے سحر میں گم ہو کر رہ گیا۔

اور اس کی آنکھوں میں غیند کی جگہ کانٹے آگ آئے۔ صعوبت کے اک نئے سفر نے دل کے پاؤں چھو لیے، وہ کرب کے وہ گزار میں اپنی موت کی تلاش میں بھٹکتی رہی۔ اس بات سے بے خبر اس محبت کے سارے دھائے بچے وعدوں پر بنے ہوئے تھے جو پختے اڑھٹے دیر نہیں لگاتے۔

وہ جو خود کو موکھی سمجھتی تھی اور موکھی کی طرح اپنی مے محبت میں مست تھی۔ اسے پتا ہی نہ چلا سعد سے اس کا نشہ کب اترتا اور کب وہ دوسری کی طلب میں مبتلا ہوا، اس نے تو یہ ہی سنا تھا، جتنی شراب پرانی اتنا زیادہ نشہ، مگر شاید اس کی محبت کی شراب سارا نشہ ہو چکی تھی۔

ہر چارہ گر کو چارہ گرمی سے گریز تھا ورنہ ہمیں جو دکھ تھے بہت لا دوا نہ تھے وہ مسلسل میسجز کے ذریعے رحم کی اپیلیں بھیجتی رہی۔

”آج میں آؤں گا۔“

لا تعداد میسجز پر رحم کی اپیل سماعت کے لیے منظور ہوئی اور وہ خوشیوں کے لیے ترستے کسی ایسے

بچے کی مانند کھل اٹھی جس کو اس کا پسندیدہ کھلونا حاضل ہونے کا یقین مل جائے۔ ایک ماہ کے بعد اس کی باری آئی تھی، وہ بہت دنوں کے بعد تیار ہوئی، گلابی لباس میں اس کا وجود گلاب کی طرح مہک اٹھا، پھر وہ سرنے سے پہر کا چولا بدلا، اور شام رات میں ڈھل گئی۔ مگر وہ نہ آیا۔ رات گہری ہونے لگی تھی، جب دلہن کو میکے چھوڑ کر وہ اس کے پاس آیا۔

اس نے پھر بھی شکر ادا کر کے کھانا چن دیا، مگر وہ تو کھانا کھا کر آیا تھا سسرال سے۔

”تم کھانا کھاؤ، مجھے بالکل بھی طلب نہیں۔“ وہ بے پروائی سے کہتے کمرے میں چلا گیا۔

وہ دن بھر کی بھوک تھی، مگر اس کی بھوک ختم ہو گئی، وہ اس کے پیروں کے نقش میں وفا کی لیکر بس ڈھونڈتی بیڈ روم تک آئی تو وہ نئے نشے میں مدھوش پڑا خزانے لے رہا تھا۔

وہ صرف خانہ ری لیے آیا تھا، اس کی طلب صرف اس کے خزانے میں تھی۔

وہ بند دروازے ماضی، خوشگوار لمحوں کو آواز دیتی رہی، مگر نہ تباہ شگوار جھونکے اسے ماضی کی اور سے بھیج کر لے آتے، ایک ہی بیڈ پر سوئے ہوئے اس شخص کے خزانے صور اسرائیل کی طرح اسے بد صورت حقیقت میں زندہ کرتے رہے۔

وہ ساری رات روتی مسکتی جاگتی رہی۔

صبح اس کی آنکھیں رت جگمگے سے لال، آواز دکھ کے بوجھ سے بھاری اور بدن بے اعتنائی کی ٹھکن سے چور چور تھا، مگر وہ ناشتا بنانے میں مگن، ساس کی دعا میں سنی رہی جو وہ اپنے بیٹے کو دے رہی تھیں باپ بننے کی۔ اس کی ساس ہر دوسرے دن تھوڑی دیر جا کر بیٹے کو دیکھ آتی، سو وہ ناشتا کر کے جلد اٹھ گئی۔ ناشتا تو سعد بھی کر چکا تھا، مگر اب اٹھنے کے لیے پر تو لے کسی

اختتامی جیلے کی تلاش میں تھا، بے رخی اور غفلت اس کے رویے میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔
”تم نے ناشتا نہیں کیا؟“
”بھوک نہیں تھی۔“
”کیوں؟“

سرسری استفسار پر اس نے بہت گہری نگاہ سے اسے دیکھا۔
”بھوک تو تب سے اڑ گئی جب تم نے راستہ الگ کر لیا۔“

”میں نے کوئی راستہ الگ نہیں کیا، نہ تمہیں چھوڑا ہے، نہ طلاق دی۔“ وہ مد مزی سے بولتے حد درجہ بے زار ہوا۔ ”شادی کی ہے کوئی گناہ نہیں کیا۔“ اسے لفظوں کی کٹ سے زیادہ کبجے کی بے زاری نے دکھی کیا۔

”محبوب اگر محب سے بے زار ہو جائے تو پتہ ہی کیا ہے۔ سوائے ہجر و فراق کے، گلے میں پھنسے آنسوؤں کے گولے کو بمشکل نکلے خود کلامی سے گویا ہوئی۔
”محبت کرنے والے اپنا آپ دے کر بدلے میں آپ سے بھی آپ کا وجود، وقت اور توجہ مانگتے ہیں، دراصل وہ اپنا کھویا وجود آپ کے وجود میں تلاش کرتے ہیں۔“

”میں باتوں میں تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا، تم ہمیشہ بہت خوب صورت بولتی ہو۔“ وہ بے وجہ ادھر ادھر دیکھتے بولا، اس کی باتوں میں نہ امید کی آہٹ تھی نہ دلاسے کا دربان۔

”جو محبت کو برتا جانتے ہیں، وہ لفظوں کو برتنے کے ہنر سے بھی آگاہ ہو جاتے ہیں۔ لفظ اپنی پہچان آپ بن کر وجدان کی طرح دل سے نکلتے ہیں۔“

اس نے دھندلی نظریں سامنے اٹھائیں تو کرسی خالی تھی، جو اس کی باتوں پر مرمات اور اس کی محبت پر جیتا تھا، وہ اب شاید یکسانیت سے بے زار ہو چکا تھا۔

کیسا المیہ عورت کی ذات سے متصل کر دیا جاتا ہے، کہ جہاں آنکھ کھولے پروان چڑھے، وہ ہی گھر و خشتی

کے بعد پر ایسا بن جاتا ہے۔
وہ اب پرانے گھر میں نہیں جاسکتی تھی، سو بے اعتنائی، بے رخی، بے جسی، بے وفائی کے بعد بھی اس کی ماں کی خدمت نگاہ بن کر اسی چوکھٹ سے چٹھی رہی۔

سینے کے داغ، دل کے زخم، روح کا کرب، جانے والے میعاد، یہی کم ہیں، مگر عورت کے لیے ناپید، اس نے جب بھی محبت کے بلبے میں دبی ہوئی زخمی ذات کو باہر نکالا، تو خود کو اصلی صورت میں نہ پایا، اصلی صورت تو وہ کھو چکی تھی۔

آٹھ ماہ گزر گئے۔ دوسری عورت کی گود ہری نہ ہو سکی، اس کی ساس ہر ماہ دن گنتی اور پوچھنے جاتی، مگر مایوس لوٹتی، ان آٹھ ماہ میں وہ دوبارہ نہیں آیا۔ بیوی اس کے پاس تھی، اور ماں جاکر دیکھ آتی، تو مرجھائے ہوئے پھول کے پاس کیوں آتا۔ اور اب تو وہ بیسج کرنا بھی بھولتی جا رہی تھی، بات کرنا تو پہلے ہی بھول بیٹھی تھی۔ وہ کون سا اس کی آواز سننے کو بے چین اور منتظر تھا۔

اس بار اس کی ساس، بیٹے سے مل کر آئی تو دکھی تھی، اس نے یقیناً ”کچھ کہہ دیا ہو گا، ورنہ وہ آٹھ دن بعد لینے کے لیے آنے والے ڈرائیور کو خالی نہ بھیجتی۔ پوچھنے کی عادت نہ اس میں تھی، نہ ہی ساس نے جہاں، جب دوسرے ہفتے بھی گاڑی خالی واپس گئی تو وہ ماں کو دیکھنے چلا آیا۔

”ماں کا خیال رکھا کرو۔“ بچن میں اپنے لیے چائے بناتی عورت سے مخاطب ہوا، بیوی کا درجہ تو وہ اب اسے دیتا ہی نہیں تھا۔

اس کی ماں اس کی ذمہ داری نہیں تھی، پھر بھی وہ مکمل ایمان داری سے نبھا رہی تھی اور وہ ہر ذمہ داری سے مبرا اسے احکامات دیتا رہا، اس نے نہ شکوہ کیا، نہ وضاحت دی، خاموشی سے چائے، بسکٹ، سمو سے اس کے سامنے رکھے۔

”ایسا لگتا ہے جیسے ہم دونوں ایک دوسرے سے

زار ہو گئے ہیں۔“
وہ اس کی تھوڑی دیر کی خاموشی بھی برداشت نہ پایا۔

”کتنے چھوٹے ظرف کا مالک تھا، وہ تو ایک سال سے اس کی خاموشی کی بھٹی میں جل جل کر کوئلہ بن چکی تھی، سعد کا علس آنکھوں میں پھیلتی نمی میں دھندلا

وا۔
”ہم دونوں نہیں، صرف تم سعد!“ گلے میں آنسوؤں کا گولہ اٹک گیا۔

”میں تو اسی دائرے کے اندر گھوم رہی ہوں، یہ جاننے کے بعد بھی کہ تم اب اس دائرے سے باہر ہو، اندر تو صرف تمہاری پرچھائیاں رہ گئی ہیں۔ مجھے پرچھائیوں کے طواف نے مذہال ضرور کیا ہے، مگر بے زار نہیں۔“ خود کلامی سرکتے سعد تک پہنچی۔

”وہم سے تمہارا مصروفیت بہت بڑھ گئی ہے، اب مہینہ نہیں کرنا۔“

”ماں! لو سعد! میں تمہاری زندگی کی کتاب کا ایسا بابچہ رہ گئی ہوں، جس کو پھاڑ بھی دیا جائے تو کتاب میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اثر کم ہوتا ہے، نہ دلچسپی۔“ وہ ماں کو متا کر چلا گیا، اگلے بیٹھے سے گاڑی خالی نہیں گئی، مگر وہ مکمل طور پر خالی ہو کر کوری کتاب رہ گئی۔

گزرتے تین سالوں میں دوسری عورت بھی کوئی خوش خبری نہ دے سکی تھی۔ اس کے جسم میں دوڑتے خون کا اک اک قطرہ گہر بننے اور تخلیق کی اعلا صورت میں آنے کے لیے بے قرار تھا، مگر وہ عورت تھی، اس لیے بانجھ نہ ہوتے ہوئے بھی بانجھ بنا دی گئی، اس کے اندر ممتا کی گرمی بدستور موجود تھی، اس کا سام بھی ہی کورا نکلا تو اس کا کیا قصور، مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی سزا کاٹی رہی۔

وہ کورا مرد کسی اور سے خوشیاں کشید کرنے لگا۔ بالآخر وہ عورت راز آشنا ہوئی، سارے ٹیسٹ خفیہ طریقے سے پہلے ہی معلوم کر رہی تھی۔ وہ اس کی طرح

نہیں تھی، جس نے صرف اس کی زبان پر اعتبار کیا، کبھی خود ٹیسٹ رپورٹس دکھانے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا، محبت اندھا کر دیتی ہے، وہ اس کی ہر بات پر آنکھ بند کر کے اعتبار کرتی رہی تھی۔

مگر وہ دوسری عورت تھی، اپنی مامتا کو کورے پن پر قربان نہیں کر سکتی تھی، جبکہ پیچھے اک مرد کو منتظر بھی چھوڑ آئی، ہو، سو اسی بہانے طلاق لے کر چلی گئی۔

وہ تن و من سے کورا مرد اک بار پھر اس کے پاس آگیا۔ اک محبت کے آسرے پر تو وہ جیون کورے مرد کے ساتھ بتا لیتی، پر اب تو وہ محبت بھی نہ رہی تھی۔ وہ خود بھی کوری کتاب بن گئی تھی، بالکل صاف سفید جس پر اک لفظ کی سیاہی بھی نہ رہی۔ عورت پنسل سے لکھی ہوئی ایسی کچی تحریر ہے، جسے مرد جب چاہے اپنے عمل کے روبرو مٹا سکتا ہے۔ اس کے دل پر کندہ تحریر بھی دھوکہ دغا فریب نے کب کی مٹا دی تھی۔

ساس کو نظریں ملانے کی ہمت نہ پڑی۔ شرم کی اور بیٹھے کے بے اولاد ہونے غم میں بستر جا لگی، وہ اس کی خدمت میں رجت گئی۔

”میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔“ ایک دن اس نے سالوں کی دوریاں پانٹنے کی ناکام کوشش کی۔ ”میں نے واقعی تم سے زیادتی کی، مجھے معاف کر دو۔“

”ماں کی بیماری کی وجہ سے میرا ان کے پاس رہنا بہت ضروری ہے، آج سے میں ان کے کمر میں رہوں گی۔ ویسے بھی میں کھوکھلی رہوں، مہس بچہ نہیں رکھتی۔“ اسی شاہ اس ہاتھ بٹاتے، دئے کھوکھلی عورت نے فیصلہ سنا دیا۔

اور اس فیصلے کو قبول کرنا اس کی مجبوری تھی کہ اس جیسی خدمت نگار اس کی ماں کو نہیں مل سکتی تھی۔ مگر اس کھوکھلی عورت کی محبت کو کھوکھلی ساس کے پاس بھی تو کچھ نہ رہا تھا، اس کے ہاتھ ہی نہیں دل بھی خالی تھا۔